بدایوں - جولائی سنہ ۲۲ء مطابق ذی قعدہ سنہ ۴۰ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

رسائل کے متعلق، سب سے پہلا سوال جو کیا جاتا ہے، وہ انکی خصوصیت اور ترتیب مضامین سے متعلق ہوتا ہے۔ "نقاش" نے دونوں باتوں کا ابھی تک کوئی اعلان نہیں کیا۔ اب بھی خصوصیت کی تشریح ذوق ناظرین کے حوالے کیجاتی ہے جس کا تھوڑا بہت اندازہ پہلی جلد سے بہرکیف ہوچکا ہوگا۔ رہی ترتیب! اسکو دوسری جلد کی ابتدا سے نمایاں کردیا ہے۔ اور اب اس میں کوئی ترمیم حتی الوسع نہ کی جائیگی!

گذشتہ تاخیر اشاعات کی تلافی کی امکانی سعی کی جانے گی!

نی نمبر میں نگار سے متعلق جو کچھ شائع ہوا ہے اس کا ایک قلیل جزو ضرور تفریح طبع کا سامان ملے لیکن یہ ہم نے اس تنقید کے ساتھ ہی کہدیا تھا کہ بڑی حد تک واقعیت پر مبنی ہے۔ اور اب بھی ایسا ہی خیال ہے۔ جون نمبر کے

تبصرہ میں برجستہ جستہ اشارات دئے ...
سخن پروری و ناحق کوشی دوسری چیز ہے! چین جبین
کا کوئی علاج نہیں کیا جاسکتا۔

"سلمہ" کا لفظ ملازمان بارگاہ حضرت نقیب کو خلاف شان
نظر آیا اگر دعائیہ فقرہ نہ ہوتا، ہم بخوشی اس کو نئی روشنی نئی
تہذیب کے اصول کی پابندیوں کے ساتھ واپس لیتے۔ لیکن
تہذیب کا مسئلہ غالباً غور طلب ہے! ہندی عرف کسی عربی لفظ کو اصل
سے محروم نہیں کرسکتا۔ علاوہ ازیں یہ بھی موصوف الصدر کا خیال
ہے کہ اردو میں بزرگوں کو سلمہٗ نہیں لکھا جاتا ہے۔ میں نے استادوں
اور دیگر بزرگوں کے لئے اردو میں بھی سلمہٗ مستعمل دیکھا ہے۔ مکاتیب
روز مرہ زیادہ اہمیت کے مستحق نہیں ہوسکتے۔ اور پھر "غریب پرور
سلامت" "تم سلامت رہو ہزار برس" کے ہوتے ہوئے اگر سلمہٗ لکھدیا
جائے۔ تو کیا حرج ہے۔
اب رہا یہ کہ "نقاش" مدظلہ العالی کے ساتھ مخاطب کئے جانیکا
متمنی ہے۔ یہ حضرت نقیب کا ظن ہے۔ اور معاملہ تو اس کے
قطعاً برعکس نظر آتا ہے جیسا کہ اس سہ سالہ بندگی کے ادعا سے
بخوبی ظاہر ہے۔

ترچھی نظر لکھنؤ۔ جون نمبر میں نقاش، نقیب اور ہمایوں پر
تنقید فرمائی گئی ہے۔ نفس تنقید کا جہاں تک تعلق ہے اس کے

متعلق کچھ کہنا غیر ضروری ہے۔ ہمارا مقصد صرف طرز گزارش پر روشنی ڈالنا ہے۔ تنقید نقاش سے متصل ہی جناب منیجر صاحب کا ایک نوٹ خود ترچھی نظر پر ہے جس میں لکھنؤ کی ٹکسالی زبان کا ادعا وضع ہو!

زبان لکھنؤ کے بارے میں اس وقت کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے" لاریب لکھنؤ کی زبان مسلّم و مستند ہے۔ لیکن ترچھی نظر کی پیش نظر عبارت آرائی اس سے یکسر مغائر اور موجودہ تنقید کی زبان کچھ عجیب و غریب ہے۔ الفاظ کی بے محل آورد نے تمام عبارت کو چیستاں بنادیا ہے"

"فریاد نقش" پر اپنا مظنون اعتراض وارد کرکے راز سخن کے حوالے کردیا ہے" اس کے بعد لکھا ہے" ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی فاضل ایڈیٹر بہت قابل ہیں۔ برجستگی مضامین نے فضیلت کی پگڑی ابنائے روزگار کے مقابلہ میں باندھ دی........ الخ" خدا معلوم اس "ہم بھی" اور "واقعی" سے کیا مفہوم متعدد ہے۔ اور" ابنائے روزگار" سے نمعلوم "ترچھی نظر" کے قارئین مراد ہیں یا کون؟

اسی طرح" قیمت کا لحاظ قدردان سخن نہیں کرتے" کا مفہوم بھی گومتی برو ہے۔ اسی ضمن میں لکھا ہے کہ" مہینے میں پانچ چھ آنے خرچ کرنا ایک علمی **مشاغل** کے لئے کیا حقیقت ہے۔

منیجر صاحب کا ایک نوٹ بھی چلتے چلتے ملاحظہ فرمائیے...... یعنی مجلد بجائے (سے،) کے صرف ۱۲ میں دی جائے گی!

نقیب کے لئے جو کچھ خامہ فرسائی کی گئی ہے وہ خدا جانے حضرت

وحید کے کون سے اوطا کا جواب ہے۔ یہ مسئلہ کہ صفات کا تعارف کراکے ذات کی پرستش کرانا چاہی گئی ہے " کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ نقیب کی کون سی دعوت سے ماخوذ ہے ؛ اس کے علاوہ قاعدہ تو یہی ہے کہ تعارف ہمیشہ صفات کا ہو اور ذات کی پرستش مقصود ہو صفات اگر عین نہ بھی ہوں " غیر نہیں ہوتیں ! اور ہم تو بجز چند افعال و صفات " علم ذات سے یکسر ناواقف ہیں " ہم ذات کی تشریح بمنہ چند افعال سے کرتے ہیں اور بس ؛ اعتقادیات سے اگر قطع نظر کرلیجائے تو ذات کا اطلاق چند صفات کے مجموعہ پر ہوا کرتا ہے۔ ورنہ نفس ذات ایک موہوم یا غیر عقلی وجود سے زیادہ نہیں ہوتا ؛

اس تنقید کی زبان ملاحظہ فرمائیے ؛ ..."طالبین سے شکایت کا ایک موقع بنتا ہے " ... اپنے معاصر نقیب کو تعارف کراتے وقت یہ بھول جاتے ہیں - الخ "

ہمایوں سے ہمارے مخدوم مکرم سیّد صاحب سخت ناراض ہیں۔ فرماتے ہیں "حقیقت میں ہمایوں ہندوستان کا سرمایۂ ناز مندروں کی ایک پرتکلف بے جان مورت ہے " خیر "نفس تنقید کے متعلق کچھ لکھنا غیر ضروری ہے

جو حضرات ہمایوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں وہ اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔ لیکن مندروں کی ایک پُر تکلف بے جان مورت "— جسکی پرستش — مذہبی ہمدردی کے خیال سے عقیدتاً ہم کو کرنا ضرور ہے "

خدا جانے بوستان خیال ہے یا طلسم ہوشربا "

لکھنؤ کے سلیس و روزمرہ کی جو مٹی خراب کیگئی ہے وہ خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے۔

"آج کل کا رنگ ایسا ہے کہ الفاظ میں قوتِ جاذبہ بلکہ قوت ہاضمہ ایسے پیمانہ پر ہوگئی کہ معانی کی کثرت الفاظ کے ہاضمہ کے اعتبار سے فہم معانی کی کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ الفاظ و ترکیب کا معانی سے ہمیشہ شکم پُر نہیں ہوتا اور الجوع الجوع کی شکایت باقی رہتی ہے۔

اس قحط کے زمانے میں اس امر کی کوشش کرنا کہ زمانۂ پارینہ کے حضرات ان نوزادگان طبع معلےٰ کے چہرے تشنہ دہنی اور جوع البقری سے سرسبز و شاداب نظر نہیں آتے اس امر کے متمنی ہوں کہ ان نوخیز نونہالوں کی سیرابی کے لئے ہندوستان کی آب و ہوا میں ایسی تروتازگی اور تراوت بخش اعتدال پیدا کرنے کی البتہ ضرورت ہے جس سے یہ غنچہائے ناشگفتہ چمن زاروں میں سرسبز و شاداب کھلے ہوئے پھول نظر آئیں۔ ان مرجھائے ہوئے خوبصورت و دل فریب گل اندامون کے چہروں میں معانی کی سیرابی سے شگفتہ و خوشرنگ نادر نگاری کا ایک مرقع پیش کیا جائے۔!"

(حرفاً حرفاً لفظاً لفظاً) خدا کے واسطے اس طلسمات نگاری سے لکھنو کی زبان کو نام نہ رکھوائیے۔ اور جلد سے جلد کسی قریبی اشاعت میں اس جوع البقری کی نیرنگ کا مرقع پیش فرماتے ہوئے اس "تراوت بخش" کی سند لائیے۔

اس کے علاوہ صفحہ ۳۹ کے ان دو مصرعوں پر روشنی ڈالیے۔

پھر اُسنے پشت انگوٹھا مجھے دکھا بھی دیا   مگر یہ لعنت کیا ہم سے گوشت بھی دیا

ورنہ × × × × × × × × × × × ×

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں   لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

کو خیال کرتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ الفاظ میں قوت جاذبہ بلکہ قوت ہاضمہ ایسے پیمانہ پر ہوگئی کہ معانی کی کثرت الفاظ کے ہاضمہ کے اعتبار سے فہم معانی کی کچھ حقیقت نہیں رکھتے" الخ......!

ہمارے ایک ہم عصر تمام تنقیدیں "سرسری نظر" کے تحت درج کیا کرتے ہیں۔ اور اس صورت میں بہت سی گرفتوں اور مواخذوں سے نجات مل جاتی ہے۔

سید صاحب کے لئے مناسب تھا کہ یہ اظہار خیال "ترچھی نظر" کے عنوان سے فرماتے۔ تو عشوہ طرازی بر ہی محمول ہو جاتا۔

نقاش

رباعیات فانی

نیرنگ حسیات و جذبات ہوں میں
جو فہم سے ہو بعید وہ بات ہوں میں
جس رات کے دوپہر ہوں ہستی و عدم
فانی بیمار غم کی وہ رات ہوں میں

آماجگہ ناوک آفات ہوں میں
تلخی کش زہر عیش مافات ہوں میں
عبرت کدہ دہر میں شاید فانی
جینا ہے گناہ اور مکافات ہوں میں

حقیقت و مجاز

(پیوستہ)

اب اصل میز کونسی ہے ؟ ہماری طبیعت کا اقتضاء یہ ہے کہ جو میز ہم خوردبین سے دیکھتے ہیں اس کو اصل میز کہیں۔ لیکن اگر خوردبین قوی تر ہو تو حالت زیادہ متغیر ہوگی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم اپنی آنکھ کا اعتبار نہیں کرتے تو خوردبین کا کیا اعتبار ؟ آنکھ نہ ہو تو وہ بالکل بیکار ہے !

تو کہ چراغ نہ بینی بہ چراغ چہ بینی

خوردبین کو اگر زبان عطا کی جائے تو وہ ہماری حد سے متجاوز قدر شناسی کا شکریہ یوں ادا کرے گی کہ

تو بخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری
بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

اب پھر حواس کا اعتبار "مابخیر و شما بسلامت" کہکے رخصت ہو جاتا ہے۔ میز کی شکل کا تصور کیجئے تو چشم بدور وہی کیفیت نظارہ نواز ہے ! ہم قیاس کرتے ہیں کہ ہم اشیاء کی اصل صورت دیکھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مختلف نقاط سے مختلف صورتیں نظر آتی ہیں اگر ہماری میز مستطیل ہے تو نظر سے یہ معلوم ہوگا کہ اس میں دو زوایا حادہ اور دو منفرجہ ہیں۔ اطراف اگر متوازی ہیں تو نظر سے ایسا معلوم ہوگا کہ ناظر کے بالمقابل کسی دوری پر وہ ایک نقطہ کی جانب مائل ہیں اور بالآخر مل جائیں گی ! اگر یہ اطراف طول میں مساوی ہیں تو نظر میں قریب

کی طرف زیادہ حویل ہوگی۔ یہ فرق ایک مختصر میز کے دیکھنے میں زیادہ بین نظر نہیں آتا۔ اور تجربہ نے ہم کو ظاہر صورت سے اصل صورت بنالینے کی تعلیم دی ہے۔

ایک عامی کی حیثیت سے ہمیں صرف اپنی مجوزہ صورت ظاہر سے کام پڑتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت آشکار ہے کہ اصل صورت وہ نہیں ہے جو ہم دیکھتے ہیں۔ بلکہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں اس سے اس اصل صورت کا تصوّر کر لیتے ہیں۔ جس کو ہم نے اصل صورت فرض کر لیا ہے۔ اب جو صورت ہم دیکھتے ہیں وہ ہماری اپنی حرکت کے ساتھ یا دوسرے اسباب و علل کے ماتحت آناً فاناً تغیر پذیر ہے۔ اب یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ حواس سے ہم کو میز کا صحیح علم نہیں ہوتا۔ ظاہر صورت کا علم ہوتا ہے اگر ہم قوت لامسہ کا خیال کریں تو بھی یہی دشواریاں پیش ہیں۔ میز میں ایک سختی ضرور محسوس ہوتی ہے اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس میں قوت مدافعت ہے۔ لیکن ہم کس قدر سختی سے میز کو دباتے ہیں یا کس حصۂ جسم سے میز پر زور دیتے ہیں ان مختلف اعتبارات سے ہمارا اعتبار متفاوت ہو جاتا ہے لہذا مختلف اعتبارات کی بدولت جو مختلف احساسات ہوتے ہیں انہی مختلف کیفیات کا ظہور ہوتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کون سی معین خاصیت کا احساس ہوتا ہے۔

ہم یہ تصور کرسکتے ہیں کہ یہ احساسات کسی معینہ خاصیت کے ادراکات ہیں لیکن وہ خاصیت معینہ کسی احساس سے بہ تمام و کمال ظاہر نہیں ہوتی میز کے ٹھوکنے یا بجانے سے جو آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ اُن میں بھی اختلاف نمایاں ہے۔ لہذا یہی اختلافات بدستور قائم رہتے ہیں۔ علیحدہ

ضرور ظاہر ہے کہ حقیقی میز اگر کوئی چیز ہے تو وہی نہیں ہے جس کا علم ہمیں قوت باصرہ یا سامعہ یا لامسہ کی بدولت ہوتا ہے۔

ہمیں حقیقی میز کا بالفعل کوئی علم نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ہماری معلومات موجودہ کا نتیجہ حقیقی میز ہو۔

اب دو نہایت مشکل اور دقیق سوال پیدا ہوتے ہیں:

(۱) آیا کسی حقیقی میز کا وجود ہے ؟"

(۲) اگر ہے تو آخر وہ کیا ہے۔ ؟"

ان سوالات پر غور کرنے سے پیشتر مناسب ہے کہ ہم چند اصطلاحات فرض کریں جن کے معانی آسان " عام فہم" ہوں۔

وہ مظاہر جن کا حواس سے ادراک ہوتا ہے ہم اُن کا نام مفہومات مدرکہ رکھتے ہیں۔ ان سے ہماری مراد رنگ ، آواز ، بو ، سختی ، درشتی وغیرہ ہیں۔ وہ تجربہ یا علم جو ہم کو ان مفہومات مدرکہ سے حاصل ہوتا ہے اس کا نام ہم ادراک یا وقوف رکھتے ہیں۔

اب ہم جب رنگ کو دیکھتے ہیں ہم کو رنگ کا ادراک ہوتا ہے۔ لیکن رنگ خود ایک مفہوم مدرکہ ہے۔ ادراک نہیں ہے رنگ وہ ہے جس کا ہم کو فوری ادراک ہوتا ہے۔ اور ہمارا وقوف یا رنگ کا علم ادراک ہے۔

اگر ہمیں میز کا ادراک کرنا ہے تو یہ ادراک بذریعہ مفہومات مدرکہ ہوگا۔ مثلاً بادامی رنگ مستطیل قطع ، ہمواری وغیرہ ان اوصاف یا (مفہومات مدرکہ) کو ہم میز سے نسبت دیں گے۔ لیکن ان دلائل کی بنا پر جو بیان کئے گئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ میز خود مفہوم مدرکہ ہے

یہ بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ مفہومات مدرکہ میز کی خاصیات ہیں۔ اب یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حقیقی میز اگر کوئی چیز ہے تو مفہومات مدرکہ کا اس سے تعلق کیا ہے۔

حقیقی میز اگر موجود ہے تو ہم اس کو ایک مادّی شے جانتے ہیں۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مادّی شے سے مفہومات مدرکہ کا کیا تعلق ہے۔

جملہ اشیائے مادّی کو محض مادہ کہتے ہیں۔ اور ہمارے سابق سوالات اب ان الفاظ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

(۱) کیا مادّہ کوئی شی ہو یا مادّہ کی کوئی حقیقت ہے ؟

(۲) اگر مادّہ کوئی چیز ہے تو اس کی حقیقت کیا ہے ؟

بشپ برکلے (۱۶۸۵ - ۱۷۵۳) نے نمایاں طریق سے ایسے دلائل پیش کئے ہیں جن سے یہ قیاس کیا جا سکے کہ جن اشیاء کا فوری ادراک ہمیں بذریعہ حواس ہوتا ہے اُن کا وجود ہمارے تخئیلات سے بے نیاز نہیں۔ گویا وہ اُن سے ماورے کہیں موجود نہیں ہیں۔

اس نے تین مکالمے منکرین کے رد میں تحریر کئے ہیں۔ اور اون میں وہ یہ بات ثابت کرنا چاہتا ہے کہ مادّہ کا وجود ہی نہیں ہے عالم محض وہم و خیال ہے۔ صرف نفوس اور ان کے تخئیلات ہیں۔

ہائی لس کو مادّہ کے وجود کا اعتراف ہے۔

مگر وہ فلونس کا مد مقابل نہیں ہے۔ فلوس اس کو بداہتًا غلط اور متناقض استدلالات میں اوجھا دیتا ہے اور مادّہ کے انکار کو تقریبًا مقتضائے عقل ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جو استدلال

دونوں طرف سے پیش کئے گئے ہیں قدر و قیمت میں مختلف ہیں بعض اہم اور صحیح ہیں۔ بعض پیچیدہ، پراگندہ اور مغالطہ آمیز ہیں۔

تاہم یہ کمال برکلے کی ذات سے وابستہ ہے کہ اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انکار مادہ بغیر اظہار لغویت کیا جاسکتا ہے،، اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے ادراکات تخئیلات سے جدا ہو کر اگر کسی شے کا وجود ہے تو اس کی حقیقت وہی نہیں ہے جو ہمیں فوراً ذریعہ حواس معلوم ہوتی ہے۔ (یعنی ہم اس کی حقیقت سے ناآشنائی محض ہیں۔

"بسمل"

منع دیدار و خود آرائی ہے۔ شوق کو رخصت رسوائی ہے
حسرت دیدہ تمنائے وصال دشمن جان دل شیدائی ہے
پر خطر راہ ہے اور منزل دور نیند کیا آئی ہے موت آئی ہے
یاس نے دل سے نکالا اماں آیئے اب تو کہ تنہائی ہے
اب تو وہ شوخ خود آرا بھی نہیں کیا قیامت ستم آرائی ہے

حیرت جلوہ دیدار سعید
پردۂ چشم تماشائی ہے

سعید

۱۳
علم النفس

دنیا کے عہد طفلی میں جب علوم و فنون کی ابتدا تھی، بنی نوع انسان کا علم محدود تھا۔

علم النفس جس کو آج ہم باقاعدہ صورت میں دیکھتے ہیں، اس وقت ابتدائی حالت میں تھا، اور اس میں اور دیگر علوم عقلی میں کچھ یوں ہی سا فرق تھا۔ فلاسفہ علم النفس کو بھی علم الہیات اور فلسفہ طبیعی کی طرح فلسفہ کی ایک شاخ خیال کرتے تھے۔ اس زمانہ میں اور نیز اس کے بعد بھی کئی صدی تک ماہرین علم النفس دیگر فلاسفہ کی مثل دنیا سے الگ تھلگ رہکر اپنی نظریات قائم رکھتے تھے۔ وہ اپنے افعال، خیالات اور حرکات و سکنات کا مطالعہ کرنا کافی سمجھتے تھے اور اسی کی بناء پر اپنی نظریات قائم کرتے تھے۔ اُن کو اس سے بحث نہ تھی کہ دنیا میں ہماری مثل اور لوگ بھی ہیں اور ان کے افعال، جذبات اور حرکات و سکنات ایسے ہی دلچسپ ہیں جیسے خود ہمارے۔ لیکن جیسے جیسے علم و فنون مین ترقی ہوتی گئی لوگون کی آنکھون پر سے یہ وہ حجاب اٹھتا گیا اور وہ زمانہ آگیا جب بنی نوع انسان کے ہر فعل، ہر حرکت، ہر جذبہ اور ہر خیال کا مطالعہ کیا جانے لگا اور قیاسات کی جگہ تجربات نے لے لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے اگر علم النفس صرف ایک طبقہ میں تھا تو اب وہ کسی خاص طبقہ تک محدود نہیں رہا۔ اگر پہلے اس کے نظریات اور قیاسات میں کوئی فرق نہ تھا تو آج

علم النفس کے نظریات یقینی سمجھے جانے لگے اور اگر بیشتر نظریات بیکار سمجھے جاتے تھے تو آج ابنائے روزگار ان سے عمل زندگی میں بے انتہا فوائد حاصل کرنے لگے۔

گو نئے دور کے علمائے علم النفس کے نظریات زیادہ صحیح اور قرین قیاس ہوتے ہیں اور گو وہ اپنے ابنائے جنس میں ہر ایک کے حرکات و سکنات کا مطالعہ ضروری خیال کرتے ہیں، پھر بھی علم النفس جس شکل میں اب سے بہت پہلے موجود تھا، فضول نہ تھا۔ علم النفس کی وہ صورت جو اب سے بہت پہلے تھی شرف اولیت رکھتی ہے۔ یہی زینہ تھا جس کی بدولت علم النفس اس قدر مرتب و منتظم حالت میں پایا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پرانے وقت کے نظریات گو وہ قیاسات ہیں ایک حد تک صحیح ہیں اور ان سے کسی کو مجال انکار نہیں ہوسکتی۔

علم النفس چونکہ افعال انسان کا مطالعہ کرتا ہے اس وجہ سے اس کے لئے ہر طبقہ اور ہر فرد کے افعال دل چسپ ثابت ہوتے ہیں۔ افعال کا معائنہ کرنے کے لئے علم النفس کا طالب علم اپنی قوت مشاہدہ کو استعمال کرتا ہے۔ اور افعال کا معالعہ کرنے کے بعد کسی نتیجہ پر پہونچتا ہے۔ لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ مشاہدہ کرتے وقت انسان غلطیاں کرے۔

پہلی غلطی جو انسان سے ہونا ممکن ہے اور نہ صرف ممکن بلکہ عملی زندگی میں جس کے اکثر ثبوت ملتے ہیں یہ ہے کہ اکثر انسان خالی الذہن ہوکر کسی بات کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ ماں کو اپنی اولاد ہمیشہ خوبصورت اور دل کش نظر آتی ہے۔ دو دوست ایک دوسرے کی کمزوریاں نہیں

دیکھئے - ہر پیشہ کے لوگ اپنے پیشہ کو دوسرے پیشوں پر ترجیح دیتے ہیں - وغیرہ

دوسری غلطی جو کسی نتیجہ تک پہونچنے میں ہم سے ہونا ممکن ہے یہ ہے کہ ہم کسی شے کی نسبت پہلے سے کوئی خیال قائم کرلیتے ہیں اور تب اپنے خیال صداقت کو ثابت کرنے کے لئے ثبوت ڈھونڈھتے ہیں حالانکہ لازم یہ ہے کہ ہم پہلے سے کوئی خیال اپنے ذہن میں نہ رکھیں بلکہ جب نتیجہ ظاہر ہو اس وقت کوئی خیال قائم کیا جاوے - مثلاً

ایک عیسائی پادری جب اپنے مذہب کی حمایت میں وعظ دیگا تو ناممکن ہے کہ وہ اپنے دلائل پیش کرنے سے بیشتر اپنے ذہن میں عیسائیت کی بزرگی کو قائم نہ رکھے بلکہ دلائل پیش کرکے جب وہ نتیجہ پر پہونچے تب اس کی برتری کا قائل ہو -

تیسری کمزوری یہ ہے کہ ہمارے احساسات نہایت جلد دھوکا کھا جاتے ہیں - ایک مورخ کسی تاریخی واقعہ کے اسباب کچھ بیان کرتا ہے اور دوسرا مورخ اسی واقعہ کے بالکل مختلف اسباب بیان کرتا ہے - سیاروں کے حالات دریافت کرنے والے ایک دوسرے سے اکثر مختلف رائیں رکھتے ہیں -

پرانے زمانہ کے عیسائی راہب انجیل کی قسمیں کھا کر لکھتے ہیں کہ انھوں نے شیطان وغیرہ کو دیکھا ہے حالانکہ صرف اُن کے دماغ کی کمزوری نے اُن کے سامنے وہمی تصاویر پیش کردی تھیں - یہ بھی کہا جاتا ہے -

مشاہدہ کے بعد تجربہ کا نمبر آتا ہے۔ وہ نتائج جن تک تجربہ کرنے کے بعد انسان پہونچتا ہے، صرف مشاہدہ کئے ہوئے نتائج سے زیادہ صحیح اور قابل اعتبار ہوتے ہیں اس کے لیے لازم ہے کہ جس بات کا تجربہ کرنا مقصود ہو، اس کے لئے چند خاص صورتیں پیدا کرلیجائیں تب تجربہ کیا جائے۔

تیسرا طریقہ وہی ہے جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا یعنی علم النفس کا جاننے والا خود اپنی طبیعت کا مطالعہ کرے۔ جو جذبات اور خیالات اس کے ذہن میں پیدا ہوں صرف اُن سے نتائج اخذ کرے۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ ہم ان اشخاص کے حالات پر غور سے نظر کریں جن کے حالات ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

علم النفس انسان کی دماغی حالت سے بحث کرتا ہے، لیکن اُس کا موضوع ساخت دماغ کا مطالعہ کرنا نہیں بلکہ صرف اُس کے افعال کا مطالعہ کرنا ہے۔ دماغ کو مطالعہ کرنے کے لئے مصالحہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ مصالحہ انسان کے حواس خمسہ بہم پہونچاتے ہیں۔ ہم ایک شے دیکھتے ہیں اور دماغ کو کام کرنیکے لئے موقع دیتے ہیں۔ یہی حال پانچوں حواس کا ہے۔

بہر حال ماہر علم النفس کا کام دماغ انسانی کا مطالعہ ہے۔ انسان کا دماغ کس طرح پر کام کرتا ہے۔ انفرادی صورت میں اس کی کیا حالت ہوتی ہے اور سوسائٹی میں اُس کا طریق کار کیا ہوتا ہے۔ جذبات انسان کے افعال پر کس حد تک اثر

کرتے ہیں اور انسان کس حد تک جذبات کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔
یہ اور اس قسم کے دیگر مسائل علم النفس کے ذریعہ سے حل ہو سکتے
ہیں اور اس وجہ سے یہ علم نہایت دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ
نہایت وسیع بھی ہے +

"مطلب حسین" کانپور"

حیات انسانی

تحقیق حیوانی و انسانی میں کیا چیز فارق ہے؟ ہر چوپایہ، تمام ایسی
جسمانی ضروریات رکھتا ہے جو ہمیں محسوس ہوتی ہیں۔ وہ بھوکا ہوتا ہے اور
گھاس چرتا ہے وہ پیاسا ہوتا ہے اور چشمہ سے سیراب ہوجاتا ہے۔
اُس کی بھوک اور پیاس کو سکون ہوجاتا ہے۔ وہ مطمئن ہوجاتا ہے۔
اور سوجاتا ہے۔ وہ پھر اوٹھتا ہے اور بھوکا ہوتا ہے، پھر چارہ کہاتا ہے
اور آرام لیتا ہے۔ ہم بھی اُن کی طرح بھوکے اور پیاسے ہوتے ہیں، لیکن
ہماری بھوک اور پیاس کے دفعیہ کے بعد، ہمکو آرام نہیں ملتا۔ ہم کو انکی
طرح احتیاج کی تکلیف ہوتی ہے لیکن اُن کی طرح اطمینان کلی میسر نہیں
اتا۔ درمیانی اوقات پیچیدہ اور ازاردہ ہوتے ہیں۔

پرند، دانہ چگتے ہیں اور سیرگاہوں کی طرف اڑ جاتے ہیں، جہاں
درختوں کی شاخوں پر وہ بظاہر مسرور بیٹھتے ہیں، اور الحان غیر منتظم کا
سلسلہ جاری کرتے ہیں۔

ہم بھی اُن کی طرح گانے اور نغموں سے راحت پاتے ہیں، لیکن آج کے نغمے کل تکلیف دہ ہوجاتے ہیں اور پرسوں اور زیادہ ایذا رساں۔

ہماری متخیلہ میں ایسا کوئی عیش باقی نہیں رہتا جو ہم کو میسّر نہ ہوا ہو، پھر بھی ہم کو کامل مسرّت حاصل نہیں ہوتی!

یقیناً انسان میں کوئی نا معلوم خاصہ ہے، جس کی وجہ سے کہیں راحت میسّر نہیں آتی۔

یا اوس کے دل میں کوئی پوشیدہ اور غیر متعینہ خواہش ہے جسکو تمام مہیّا راحتوں سے پورا ہونا چاہیئے۔

ہم کبھی ایسی ایذا سے ڈرا کرتے ہیں جو ہنوز ہمیں نہیں پہنچتی ہم کبھی گزشتہ برائیوں کی یاد سے لرز جاتے ہیں، یقیناً خدا نے مخصوص عشرتوں کا توازن، مخصوص مصائب کے ساتھ قائم کیا ہے!

مسرّت کا عقلی اثر اسی وقت ہوتا ہے جب تک نئی ہوتی ہے اور اس میں لطف تازگی پیدا کرنے کے لئے اسکو بھول جانا چاہیئے۔

راحت کا استقلال، کیفیت راحت کو سلب کرلیتا ہے بعض اوقات ہم صرف اس لئے مضطرب ہوتے ہیں، کہ ہمیں کسی نامعلوم راحت کی مجہول طلب ہوتی ہے، اگر مطلوب متعین ہوجائیں، تو وہ اوقات جو الجھن کی مصیبت میں گزرتے ہیں، کوشش کی دلبستگی میں صرف ہوجائیں۔

اگر ہم کو کسی جدید مسرّت کا پتہ لگ جائے، تو اس کی ترغیب ہمکو خوش رکھے، لیکن تمام معلومہ خواہشات کا پورا ہوتا رہنا، امروز و فردا اتفاقی تبدیلیوں کی مسرّتوں سے محروم کردیتا ہے، ہر آیندہ لمحہ جو گذشتہ کے مماثل ہو کوئی دل کشی نہیں رکھتا۔

بجز اس کے کہ اس کا گزارنا اور دشوار ہو جائے!

جب کوئی طلب نہیں رہتی، تو بھی بے طلب ہونا مصیبت ہو جاتا ہے،
اُس وقت آخری اور مایوس کن خواہش یہ ہوتی ہے کہ کاش ہمارا دل
بھی کسی ارمان سے معمور ہو!

عیش مہیا سے بدرجہا زیادہ مسرت آفریں یہ خواہش ہوسکتی ہے، کہ کسی
جدید مطلوب کے حصول میں خود کو خطروں اور ہلاکتوں کے سپرد کردیا
جائے!

عمر انسانی کا صرف وہی حصّہ قابل شمار ہے جب وہ کسی طلب
میں جد و جہد کرتا ہو، عیش و راحت ایک وقفہ ہے، بیکاری
ہے، جمود ہے، اسلئے زندگی سے خارج! (ماخوذ)

سلمائے سُہا

نکاتِ حکمت

فنا و بقا

کہتے ہیں کہ قوانین قدرت کے ماتحت زمینوں اور آسمانوں میں
ایک ان دیکھی اور ان بوجھی مگر اٹل قوت اپنا کام کر رہی ہے جو وقت
آنے پر ان ہیبتناک آسمانوں اور بلند و بالا پہاڑوں کو بیسکر سرمہ کردیگی
و سیارہ و ثوابت کے وسیع اور فولادی کُرّوں کو باہم ٹکرا دے گی، اور
وقت آئے گا کہ یہی قوت صبح منور کی رخشانیوں اور شام سیہ کی

ہولناک تاریکیوں، ہواؤں کی بوجھل روانیوں اور سمندروں کی ڈراؤنی۔
موجوں کو برہم و برباد کردے گی، اور ستم بالائے ستم یہ کہ یہی وہ
قوت ہوگی جو نزاکت و ناتوانی کے اوس نحیف مجسمہ (انسان) پر بھی
اپنا بے رحم عمل جاری رکھے گی جس کا دماغ ہوائے لالہ کار مشک بیز
جھونکوں سے بھی مختل ہوجاتا ہے، اوس کا نازک ترین دل کسی غیر
معمولی صدمہ کو برداشت نہیں کرسکتا، وہ کسی دھیمی سے دھیمی آواز
سے بھی چونک پڑتا ہے اوس کی قوت باصرہ کسی چھوٹے سے چھوٹے
حادثہ کو بھی نہیں دیکھ سکتی اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ وہ کسی
غمناک و وحشت تصور سے بھی لرز جاتا ہے، مگر سنا ہے کہ یہ بیرحم
طاقت ایک دن اوسے بھی اپنی تمام خون آشامیوں کے ساتھ ختم
و تمام کردے گی اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا اور ہو رہا ہے کہ حیات
و بقا اور قیام دوام کو صرف خدائے واحد و یکتا کے لئے تسلیم کیا جائے
اور یہ برہم کن طاقت وہی ہے جس کا خوفناک نام "موت" ہے اور
جو کائنات عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنا کام کر رہی ہے۔

کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ۵

تم نے دریا کی خوفناک سطح پر سیر و سفر کے لئے آہن پوش جہاز
ہیں، جو تمہیں سمندر کی کوہ شکن موجوں اور فلک پیما طغیانیوں سے محفوظ
و مامون رکھتے ہیں تم ہوا کی پگلدار روانیوں پر پرواز کرتے ہو اور تم
ایسے آلات ایجاد کئے ہیں جو تمہیں فضائے معلق پر سیر و سیاحت کرا
ہیں اور تم اس خطرناک فضا میں بہ کمال اطمینان خود کو محفوظ و سلامت

رکھتے ہو، میدان قتل و قتال میں فولاد شکن گولوں، اور اژدر دہن توپوں، تیروں کی خوں چکاں انیوں، اور تلواروں کی صف شکن کاٹ سے مشت خاک انسان کا محفوظ و زندہ رہنا گو امر محال ہے لیکن تم نے تو ان خوں فشاں میدانوں اور برباد کن اسلحہ سے بچنے کے لئے بھی آلات و اسباب فراہم کئے ہیں، اور تم دشمن کی مہلک ضرب سے محفوظ و سلامت رہتے ہو، تم نے دشمن کے خونخوار و خوں باز اقدام وپیشقدمی سے تحفظ کے لئے فولاد اثر خندقیں اور کوہ پیما قلعے تعمیر کئے ہیں اور ان کی بلند و بالا دیواریں اور مضبوط و قوی تر برج تمہیں دشمن کی برہم کن گولہ باری اور خون آشام تیر افگنی سے یقیناً بچا لیتے ہیں، لیکن تم نے اوس قہرمان قدرت کے قوی پنجہ سے بچنے کے لئے کون سے آلات و ہتیار تیار کئے ہیں جس کا ڈراونا نام "موت" ہے اور جو تمہیں فولادی پشتوں اور توپوں کے کوہ شکن دہانوں اور قلعوں کے آہنی برجوں میں بھی نہ چھوڑیگی۔

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ،

تم ایک ایسی ذات سے اعراض و سرکشی کرتے ہو جس نے تمہیں حیات و زندگانی کا خلعت عطا کیا، حالانکہ تم تو مردہ تھے اور تمہارے اندر حس و حرکت کی طاقت بھی نہ تھی مگر اوس نے تمہیں زندگی بخشی اور تم اس نعمت کے ذریعہ خشکی و تری کی تمام پہنائیوں اور اس کی ان گنت مخلوق پر حکومت کرتے ہو، تم اُس ذات سے انکار و انحراف کرتے ہو جو باوصف اس تمہاری طاقت و زندگی کے تمہیں پل کے پل میں ختم و تمام کرسکتی ہے، اور تم اُسکے چارہ کار کے لئے یکسر عاجز ہو اور وہ تو وہ ذات ہے جو تمہیں ہر موت کے

بعد زندگی اور ہر زندگی کے بعد فنا کرسکتی ہے اور تم مجبور ہو کہ بالآخر اسکی طرف عاجزانہ رجوع کرو،

تم دنیا کے فنا ہو جانے والے اقتدار و عروج پر گھمنڈ کرتے ہو، تم جاہ وحشمت اور دولت و حکومت کے نشہ سے مست و مدہوش ہو، تم اپنی طاقت و قوت سے ابنائے جنس کو غلام اور دست نگر بنانے کے عادی ہو، تم ہوا و ہوس کے شیطانی اشتعال سے دنیا کی کمزور مخلوق پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑتے ہو اور خود پسندی و خود نمائی کے جذبہ سے مغلوب ہوکر تم اپنی "انانیت" کا اعلان کرتے ہو، تم نفس کی بیجا تمناؤں سے متاثر ہوکر شرمناک افعال کا ارتکاب کرتے ہو اور وقت آتا ہے کہ تم ان شیطانی وساوس کے اثر سے ہماری پرجلال قدرتوں سے بھی انکا کرتے ہو مگر تمہاری یہ تمام سرکشی اور بے خبری، خود پسندی، و خود اعتمادی اس لئے ہے کہ تم ہماری اس طاقت سے قصداً غافل ہوگئے ہو جو تمہیں ان تمام اسباب کے ہوتے ہوئے بھی ہمارے دبدبہ انگیز دربار میں ایک مجبور و عاجز بندے کی طرح حاضر کردے گی اور پھر تم اپنی تمام شرمساریوں کے ساتھ ہمارے سامنے آوگے، اور وہ، وہی وقت ہوگا جب کہ تمہاری تمام قوتیں بےکار ہو جائیں گی اور تم بہ کمال انفعال ہمارے سامنے کھڑے ہوگے اور یہ وقت تم میں سے ہر ایک کے لئے آئیگا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ، وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ○

"توحید"

جسقدر چھپتے ہیں اتنا ہی کھلے جاتے ہیں۔ پردۂ شرم بھی اک محشر رسوائی ہے — وفا

بہ رخ چوں ماہ برقع از کتاں انداختہ — غالب — در نہفتن پردہ از راز نہاں انداختہ

تلاش دل

مجھے اسوقت حضرت آحسن سیہی کا تعارف کرانا ضروری نہیں معلوم ہوتا کیونکہ آپ دنیائے ادب اور جہان شاعری کی ایک معروف ہستی ہیں - نظم بھی اپنی دلکشی اور روانی میں تعارف سے بے نیاز ہے میں ممنون اس عنایت اور آیندہ کے وعدوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں -

(ایڈیٹر)

آہ یہ برسات کی رت آہ یہ ٹھنڈی ہوا / آہ یہ بوندوں کی رم جھم آہ یہ کالی گھٹا
اُف یہ بادل کا گرجنا اُف یہ بجلی کی چمک / اُف یہ پتوں کا نکھرنا - اُف یہ پھولوں کی مہک
بچھ گئی ہیں سبز قالینیں زمیں کے فرش پر / ہے مزاجِ سبزۂ خوابیدہ گویا عرش پر
یہ کسی کا جلوہ ہے یا چاندنی نکھری ہوئی / بدلیاں ہیں یا کسی کی زلف ہے بکھری ہوئی
پھرتی ہے بادِ صبا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی / کس خوشی سے نوعروسِ گل کا دم بھرتی ہوئی
اپنی نظروں میں کوئی شے سیر کے قابل نہیں / ہائے سب کچھ ہے مگر پہلو میں اپنا دل نہیں
دل نہو پہلو میں تو سیرِ چمن کچھ بھی نہیں / بیدلی ہو گر تو لطفِ انجمن کچھ بھی نہیں
خاک ایسی زندگی کا لطف ہو حاصل مجھے / جب پریشاں کر رہی ہو جستجوئے دل مجھے

دل مرا سنبل نے زلفوں میں چھپایا تو نہیں / آنکھوں ہی آنکھوں میں نرگس نے چرایا تو نہیں
محفلِ گلشن کے ان روشن چراغوں میں نہو / ڈھونڈھ لیں چل کر کہیں لالے کے داغوں میں نہو
پہلوئے بلبل میں کیا ہو چل کے دیکھیں تو سہی / کچھ اُسی کی سی صدا ہے چل کے دیکھیں تو سہی
دیکھو تم ہنستے ہو پھولو یہ ہنسی اچھی نہیں / لاؤ دل دیدو مرا یہ دل لگی اچھی نہیں
مسکرانے والے غنچو اپنی مٹھی کھول دو - / میرے دل کی بھی خبر ہے کچھ چٹک کر بول دو

بعد زندگی اور ہر زندگی کے بعد فنا کرسکتی ہے اور تم مجبور ہو کہ بالآخر اسکی طرف عاجزانہ رجوع کرو،

تم دنیا کے فنا ہو جانے والے اقتدار و عروج پر گھمنڈ کرتے ہو، تم جاہ وحشمت اور دولت و حکومت کے نشہ سے مست و مدہوش ہو، تم اپنی طاقت و قوت سے ابنائے جنس کو غلام اور دست نگر بنانے کے عادی ہو، تم ہواو ہوس کے شیطانی اشتعال سے دنیا کی کمزور مخلوق پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑتے ہو اور خود پسندی و خود نمائی کے جذبہ سے مغلوب ہوکر تم اپنی "انانیت" کا اعلان کرتے ہو، تم نفس کی بیجا تمناؤں سے متاثر ہوکر شرمناک افعال کا ارتکاب کرتے ہو اور وقت آتا ہے کہ تم ان شیطانی وساوس کے اثر سے ہماری پرجلال قدرتوں سے بھی انکار کرتے ہو مگر تمہاری یہ تمام سرکشی اور بے خبری، خود پسندی، و خود اعتمادی اس لئے ہے کہ تم ہماری اس طاقت سے قصداً غافل ہوگئے ہو جو تمہیں ان تمام اسباب کے ہوتے ہوئے بھی ہمارے دبدبہ انگیز دربار میں ایک مجبور و عاجز بندے کی طرح حاضر کردے گی اور پھر تم اپنی تمام شرمساریوں کے ساتھ ہمارے سامنے آؤگے، اور وہ، وہی وقت ہوگا جب کہ تمہاری تمام قوتیں بےکار ہو جائیں گی اور تم بہ کمال انفعال ہمارے سامنے کھڑے ہوگے اور یہ وقت تم میں سے ہر ایک کے لئے آئیگا۔

کل نفسٍ ذائقۃ الموت، ونبلوکم بالشر والخیر فتنہ والینا ترجعون ○

"توضیح"

جتقدر چھپتے ہیں اتنا ہی کھلے جاتے ہیں۔ پردہ شرم بھی اک محشر رسوائی ہے وفا

بدرخ چوں ماہ برقع از کتاں انداختہ غالب درنہفتن پردہ از راز نہاں انداختہ

تلاشِ دل

مجھے اسوقت حضرت آحسن سمبھی کا تعارف کرانا ضروری نہیں معلوم ہوتا کیونکہ آپ دنیائے ادب اور جہان شاعری کی ایک معروف ہستی ہیں - نظم بھی اپنی دلکشی اور روانی میں تعارف سے بے نیاز ہے یہاں تم اس عنایت اور آیندہ کے وعدوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں -

(ایڈیٹر)

آہ یہ برسات کی رُت! آہ یہہ ٹھنڈی ہوا
آہ یہ بوندون کی رم جھم آہ یہہ کالی گھٹا

اُف یہ بادل کا گرجنا اُف یہ بجلی کی چمک
اُف یہ پتوں کا نکھرنا۔ اُف یہ پھولوں کی مہک

بچھ گئی ہیں سبز قالینیں زمیں کے فرش پر
ہے مزاجِ سبزۂ خوابیدہ گویا عرش پر

یہ کسیکا جلوہ ہے یا چاندنی نکھری ہوئی
بدلیاں ہیں یا کسیکی زلف ہے بکھری ہوئی

پھرتی ہے بادِ صبا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی
کس خوشی سے نوعروسِ گل کا دم بھرتی ہوئی

اپنی نظروں میں کوئی شئے سیر کے قابل نہیں
ہائے سب کچھ ہے مگر پہلو میں اپنا دل نہیں

دل نہو پہلو میں تو سیرِ چمن کچھ بھی نہیں
بیدلی ہو گر تو لطفِ انجمن کچھ بھی نہیں

خاک ایسی زندگی کا لطف ہو حاصل مجھے
جب پریشاں کر رہی ہو جستجوئے دل مجھے

دل مرا سنبل نے زلفوں میں چھپایا تو نہیں
آنکھوں ہی آنکھوں میں نرگس نے چرایا تو نہیں

نخلِ گلشن کے اِن روشن چراغوں میں نہو
ڈھونڈھ لیں چلکر کہیں لالے کے داغوں میں نہو

چہلوئے بلبل میں کیا ہے چل کے دیکھیں تو سہی
کچھ اُسی کی سی صدا ہے چل کے دیکھیں تو سہی

دیکھو تم ہنستے ہو پھولو یہ ہنسی اچھی نہیں
لاؤ دل دیدو مرا یہ دل لگی اچھی نہیں

مسکرانے والے غنچو اپنی مٹھی کھول دو۔
میرے دل کی بھی خبر ہے کچھ چٹک کر بول دو

تونے دیکھا ہے کہیں میرا دلِ مضطر صبا
تو تو تڑکے ہی سے پھرتی رہتی ہے گھر گھر صبا
دامنِ گل میں نہیں پہلوئے بلبل میں نہیں
چشمِ نرگس میں نہیں گیسوئے سنبل میں نہیں
ہائے وہ میرا دلِ درد آشنا ملتا نہیں
پتہ پتہ دیکھ ڈالا کچھ پتا ملتا نہیں

اے ہوا میں پھرنے والے کالے کالے بادلو
اے فضائے آسماں کے رہنے والے بادلو
اپنا دامن دیکھ لو اپنا گریباں دیکھ لو
ان میں پوشیدہ کہیں میرا دلِ مضطر نہ ہو
کچھ چمک جاتا ہے رہ رہ کر تمہارے سینے میں
جیسے سورج کی شعاعیں پڑتی ہوں آئینے میں
کیا یہ بجلی ہے کہ یہ میرا دلِ بیتاب ہے
ہے تڑپنے والی دل ہی کی طرح سے کوئی شے
رعد کچھ تو ہی بتا کہتے ہوئے دل کا پتا
برقِ مضطر تو ہی کچھ دے میرے بسمل کا پتا

سچ بتا وہ ماہِ کامل، چاند تجھ میں تو نہیں
میرا زخمی میرا بسمل، چاند تجھ میں تو نہیں
کچھ چمک سی کچھ کشش سی تیرے رخ کے تل میں ہے
یہ دلِ پُر داغ ہے یا داغ تیری دل میں ہے
اے چمکنے والے تارو رونقِ چرخِ بریں
شام ہی سے کیوں لگی ہے ٹکٹکی سوئے زمیں
سچ کہو تمکو مرا دل بھی کہیں آیا نظر
آسمانو کچھ تمہیں بتلاؤ دیکھا ہو اگر
اپنی محفل میں ذرا دیکھو مرا دل تو نہیں
اس تمہاری بزم افروزی میں شامل تو نہیں

آؤ کر آئیں کچھ ان دونوں گھروں کی سیر بھی
اپنے دلکے کھوج میں ڈھونڈیں حرم بھی دیر بھی
وہ نہ کرتا ہو پرستش دیر میں اصنام کی۔
پھیرنے بیٹھا نہ ہو مالا بتوں کے نام کی
دانہ بنکر بتکدے والوں کے سمرن میں نہو
نالہ کش بنکر وہ ناقوسِ برہمن میں نہو
لو صنمخانے میں تو دل کا پتہ کچھ بھی نہیں
بت ہی بت ہیں ہر طرف اسکے سوا کچھ بھی نہیں
میں ہوں محوِ نالہ وہ بیٹھے ہیں سب پتھر بنے
ان بتوں کی یہ خموشی ہائے پھر کیونکر بنے

یہ تو میں بھی مانتا ہوں حسن کا شیدا تھا دل - ہائے وہ دن جب کہ پہلو میں مرے رہتا تھا دل
تھی نہاں اوسکی تڑپ میں اک خوشی میرے لئے اوسکی دھڑکن میں تھی گویا زندگی میرے لئے
لیگئی ہو شاید اوسکو نازنینوں کی نظر پڑ رہی تھی ہائے اوس پر مہ جبینوں کی نظر
لے اڑی ہوگی حسینوں کی ادا پہچان کر لے گیا ہوگا کوئی اوسکو کھلونا جان کر
لے اڑی ہوگی کسی کی آنکھ ڈورے ڈال کر ہائے پچھتاتے ہیں ہم پہلو میں اپنے پال کر

آؤ پہلو میں تو ڈھونڈھیں - ہاں نہیں اسمیں نہیں یاس ہے حسرت ہی ہے لیکن دل نہیں سینہ نہیں
سچ بتا اے یاس کچھ تو ہے، مرا دل کیا ہوا یہ جو پہلو میں ہے محفل [illegible] کیا ہوا
سچ بتا دل کیا ہوا، وہ آرزوئیں کیا ہوئیں اچھی اچھی صورتیں پہلو میں تھیں کیا بن گئیں
تو بتا اے درد دل پہلو سے کیونکر کھو گیا اشک خونیں تو بتا کیا دل مرا خوں ہو گیا
تو تو پہلو ہی میں تھا تجھ کو خبر کچھ بھی نہیں کیا تجھے دل کی خبر اے جگر کچھ بھی نہیں
شمع بنکر دل مرا، میرے سیہ خانے میں تھا ہائے وہ دیوانہ جو پہلو کے ویرانے میں تھا

خون ہو کر دل مرا آنکھوں سے شاید بہہ گیا داغ ہی داغ اب فقط سینے میں باقی رہ گیا
اب کہاں جوش تمنا اور ارمانوں کی دھوم شمع ہی جبتک تھی مرے محفل میں پروانوں کی دھوم
اب کہاں وہ دل کہاں وہ دلمیں قطرے خون کے رہ گئے پہلو میں باقی چند دھبے خون کے
دل کے دم تک تھی تمنا ہستی موہوم کی یاد آتی ہے ہمیں اپنے دل مرحوم کی

سچ ہے احسن اسطرح جینے کا حاصل کچھ نہیں
دل جو ہو سب کچھ ہے لیکن جب نہو دل کچھ نہیں

احسن [illegible]

ہوئی ہو دل کی محویت سے یکساں کلفت و راحت نہ ماتم مرنے کا ہے میرے نہ جینے کی شادی ہے
ہے حال اپنا اب اس کے دلخواہ کیا پوچھتے ہو الحمد للہ

"حقایق دید"

ہر طرف جلوۂ زیبا نظر آتا ہے مجھے
حشر اک بزمِ تماشا نظر آتا ہے مجھے

زہر سے بھی نہ ملا دل کو سکوں جان کو چین
دردا! اب تو ہی مسیحا نظر ہے مجھے

صاف کہتی ہے یہ اب برقِ نظر سوزِ جمال
کب کوئی دیکھنے والا نظر آتا ہے مجھے

ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے کہیں دامانِ خیال
بس یہی ایک تسلا نظر آتا ہے مجھے

پردۂ کعبہ جو دیکھا تو کہا مجنوں نے
دامنِ محملِ لیلےٰ نظر آتا ہے مجھے

یاس و امید میں جھگڑا ہے خدا خیر کرے
حشر دنیائے تمنا نظر آتا ہے مجھے

خیرگیٔ نگہ شوق برا ہو تیرا
جلوہ حسن بھی پردہ نظر آتا ہے مجھے

نامرادی کا یہ عالم ہے کہ اب موت تو موت
خواب بھی آنکھ سے عنقا نظر آتا ہے مجھے

ایک تصویر ہے لیکن ہیں کئی آئینے
کوئی مجنوں کوئی لیلےٰ نظر آتا ہے مجھے

حیرتِ دید کہیں لوٹ نہ لے مایۂ ضبط
پھر وہی خوابِ زلیخا نظر آتا ہے مجھے

کس مپرسی سے پریشان نہ ہونا حیرت
رنگِ محفل ہی بدلتا نظر آتا ہے مجھے

"حیرت قادری بدایونی"

اک جہاں گرمِ تماشا نظر آتا ہے مجھے
حشر اک حشر میں برپا نظر آتا ہے مجھے

چارہ گر ضبط کو سمجھا ہے سکون اور یہاں
حال کچھ اور ہی دل کا نظر آتا ہے مجھے

وہ تو ہر بات پہ کہتے ہیں ہم جانتے ہیں۔
مشکل اظہارِ تمنا نظر آتا ہے مجھے

تو تو ہاں پردہ نشیں ہے تجھے دیکھا کس نے
چارہ سو کس کا تجلے نظر آتا ہے مجھے

اسکے سمجھانے کو جاتا ہے خدا خیر کرے — ہمنشیں ہاتھ سے جاتا نظر آتا ہی مجھے
حسن ہر ذرۂ عالم ہے تماشا طالب — ہر طرف دام تمنا نظر آتا ہے مجھے
بے نیازی سے تری دیکھئے کیا پائے جواب — دل کہ امید سراپا نظر آتا ہے مجھے
پھر وہی دل کی تپش ہو وہی خونباری چشم — پھر وہی سر وہی سودا نظر آتا ہی مجھے
وہی بیخوابی شب ہو وہی اختر شمری — پھر وہی جوش تمنا نظر آتا ہی مجھے
مسرت آباد تمنا میں ہے اک حشر بپا — شوق پھر انجمن آرا نظر آتا ہی مجھے

رشک بتخانۂ چیں ہے دل برباد عزیزؔ
کہ ابھی داغ تمنا نظر آتا ہے مجھے

وشن رہا ہے کیف مسرت سے مست ہے — ہنگامہ زا ہنوز نوائے الست ہے
وہ جام اہل دل جسے گیتی نما کہیں — عالم میں ہے اگر تو دل می پرست ہے
یا جانئے خیال نے پہونچا دیا کہاں — اپنی بلندیوں سے ہر اک اوج پست ہے
بے بود ہے نمود طلسم نظر فریب — ناداں بوہم سرخوش پندار ہست ہے
س درجہ تنگدل نہ ہو اے خاطر حزیں — ہاں مژدۂ قبول یہ دل کی شکست ہے
بخشا نہ جائے گا گنہ اجتناب آج — وہ "مے بنوش" برلب و ساغر بدست ہے

سلمےؔ مجھے ہے لذت دیدار بھی شراب
ساقی کی چشم ساقی ساغر بدست ہے

یحہ! جون نمبر غزل حضرت فانی۔

۱) جو ہستی تھی خواب پریشاں نیند کچھ ایسی گہری تھی (صفحہ ۳۷)

۱) ترک بیداد آہ اک تمہید تھی بیداد کی۔ (صفحہ ۳۹)

جاسکتا،

ریحانہ:- میں حکم دیتی ہوں، یہ خط یہاں سے لے جاؤ، اور جس نے دیا ہے، اوسی کو واپس دیا جائے،

فلورا:- بیگم صاحبہ کو معلوم ہے کہ اب میں اون کی نوکر نہیں رہی لہٰذا میں کسی حکم کو ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں،

یہ کہکر وہ کمرے سے باہر نکل آئی، ریحانہ کی نظر خط پر پڑی تو وہ اپنے جی میں کہنے لگی :- شفیعہ، سچ کہتی تھی کہ مردوں کی جب کوئی غرض ہوتی ہے تو وہ ذرا بھی احتیاط سے کام نہیں لیتے، فواد نے محض اس امید پر یہ خط مجھے لکھنے کی جرأت کی، کہ میں پڑھ لوں گی، لیکن میں قسم کھاتی ہوں کہ یہ خط، یونہی سربند اُن کے پاس واپس جائے گا، اور میں اسطرح بیٹھے ہوئے، خط کو ہرگز نہیں پڑھ سکتی، انہیں بھی تو معلوم ہو کہ میری ساری کوششیں رائگاں گئیں، اور بے احتیاطی کا نتیجہ ہمیشہ ناکامی ہوتا ہے، اب وہ سوچنے لگی کہ یہ خط فواد تک کیونکر واپس بھیجا جائے، مگر کوئی ایسا طریقہ سمجھ میں نہ آیا، جو خطرہ سے محفوظ ہو، آخر یہ تدبیر سوچی کہ خط جلادے چنانچہ اس کا ایک سرا پکڑ کر چراغ کے قریب لے گئی، اُس کا نازنین ہاتھ اس طرح کانپ رہا تھا، جس طرح کوئی ہاتھ میں ناگن لئے ہو، لیکن کاغذ روغنی تھا، اس لئے خط مطلق نہ جلا، بلکہ صرف اوپر کا حصّہ سیاہ ہوگیا نازنین ریحانہ کو اور زیادہ غصّہ آیا، اُس نے سرخ لاکھ کی مہر چھڑانا چاہا، تاکہ خط نکال کر آسانی سے جلا سکے، لفافہ کھولا تو بلا ارادہ اُس کی نظر خط پر پڑ گئی اوس نے دیکھا کہ نہایت باریک حرفوں میں ایک طولانی داستان تحریر ہے، ریحانہ نے یہ بھی محسوس کیا کہ لکھتے وقت فواد کا ہاتھ کانپ رہا تھا، اور وہ جملے

سے سیدھی سطریں لکھ سکا ہے، خط کو چراغ کے لَو سے لگانے ہی کو تھی، کہ دہلیز پر نالیوں کی آہٹ محسوس ہوئی، ریحانہ فوراً سمجھ گئی کہ آنے والا اُس کا شوہر رشدی ہے، اُس نے بڑی پھرتی کے ساتھ خط اپنے سینہ بند میں رکھکر اس طرح چھپا لیا، جیسے کوئی عزیز ترین راز سینہ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے، رشدی نے آکر دیکھا کہ ریحانہ پریشان و بدحواس کھڑی ہوئی ہے، چہرہ کا رنگ زرد ہے، اور بُشرے سے کچھ آثار اضطراب نمایاں ہیں، بُشرے کا یہ اضطراب، اور چہرے کی یہ زردی دیکھکر، وہ بے تابانہ، ایک وارفتہ مزاج عاشق کی طرح، ریحانہ کی طرف بڑھا، اور اوس کے گلگوں، مگر افسردہ رخسارہ کا بوسہ لے کر کہنے لگا:۔

رشدی:۔ پیاری ریحانہ! کیوں؟ آج کیسا مزاج ہے،

ریحانہ:۔ کوئی ایک گھنٹہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ دم گھٹا جاتا ہے، سینہ میں، اُلجھن ہو رہی ہے، مگر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی،

رشدی:۔ کچھ تعجب نہیں، فضا کی آج عجب حالت ہے، ہوا کہریت، سے لبریز ہے، آسمان سخت آندھیوں کی وجہ سے گرد آلود ہو رہا ہے، اور جان عزیز تم اسقدر نازک ہو، کہ یہ تیز ہوا تمہارے جسم نازنین پر اثر کئے بغیر نہیں رہسکتی، تو کیا ہمارے ساتھ کھانا نہ کھا سکوگی، اپنے احباب سے معذرت کردوں،

ریحانہ:۔ نہیں! میں کھانیکے کمرے میں چلنے کو تیار ہوں،

یہ سنکر رشدی کا دل مسرتوں سے معمور ہوگیا، اُس نے ریحانہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا، ریحانہ سہارا دیئے ہوئے، کھانیکے کمرے میں اسطرح اُتری، جیسے کوئی غزالۂ رعنا، اپنے غزالِ مست کیساتھ، خراماں خراماں قلۂ کوہ سے دامنِ کوہسار میں اُتر رہی ہو،

(باقی)

انتقاد و انتخاب

(کلام بیخود)

مولوی عبدالحیٔ صاحب بیخود مرحوم بدایونی کا شمار فصیح الملک حضرت داغ کے ان تلامذہ سے ہے جو رفتار تغزل میں اپنے استاد کے مقلد و متبع مانے جاتے ہیں لیکن اگر سچ پوچھا جائے تو وہ خصوصیت غزل گوئی جو جہاں اُستاد حضرت داغ کا خاص حصّہ سمجھی جاتی ہے۔ اور جس سے اُن کے معاصرین پر ان کا تفوق ثابت ہوتا ہے، جتقدر حضرت بیخود بدایونی کے یہاں ہے۔ کسی دوسرے کے یہاں نہیں۔

لاریب آپ کی غزلیں مذاق و زبان کے اعتبار سے اس نسبت تلمیذ پر شاہد ہیں۔ مضامین کی بے ساختگی و آمد زبان کی سلاست طرز گزارش غرض تمام خوبیاں جو جانِ سخن ہوسکتی ہیں آپ کے یہاں بدرجہ کمال موجود ہیں۔

آپ کا کلیات ۱۳۳۲ھ میں طبع ہوا تھا۔ لیکن اس سے قریب ہی آپ اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔

اور کلام شائع ہونے سے رہ گیا۔ اب آپ کے خلف رشید مولوی رضائی حسنین صاحب نے کوشش کی ہے کہ اس کمی کو پورا کریں۔

انتخاب پیشکش ناظرین ہے کشاف

(۱) رموز ممکن و واجب نے کیا جھگڑے میں ڈالا ہے
نہ مجھ پر ہو یقیں میرا نہ تجھ پر ہو گماں تیرا

(۲) ناکامیوں میں کس کی شکایت کرے کوئی
جس نے بگاڑے کام ترا کارساز تھا

(۳) یہ شوق ہے کہ اوٹھاؤں ستم زمانے کا
خدا بچائے یہ لپکا ستم اوٹھانے کا

(۴) مجھے تو جان ہے دو بھر شتاؤ تم تو نہ آؤ
پتہ اجل ہی کو دیدو غریب خانے کا

(۵) الفت کا گماں مجکو ترے رحم کا یقیں تھا
دیکھا جو ترا دل تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا

(۶) ہرگز نہ مٹا نقش عدو دل سے تمہارے
گویا یہ نوشتہ بھی مرا خط جبیں تھا

(۷) ہرگز یہ نہ نکلا دل ناشاد سے باہر
او پردہ نشیں غم بھی ترا پردہ نشیں تھا

(۸) محرومی تقدیر سے یہ حال ہے بیخود
آج اُسکا گماں بھی نہیں کل جسکا یقیں تھا

(۹) دشوار ہے سُم کھانا آساں نہیں مرجانا
جو ہو نہ سکا ہم سے وہ غیر سے کیا ہوتا

(۱۰) کیا چیز ہے وصل بت بے مہر خدایا
ہمنے کبھی یہ خواب پریشاں نہیں دیکھا

(۱۱) ہاں سچ ہے مرے سینہ میں کیا ہے دبا ہوا
اک داغ ہجر وہ بھی تمہارا دیا ہوا

(۱۲) تم اگر دوستی پر آجاؤ
پھر جو دشمن ہے یار ہے میرا

(۱۳) دل مرحوم سے کچھ بھی تو بہل جاتا تھا
مرثیہ لکھیں گے اس مونس تنہائی کا

(۱۴) کچھ کام نہ دنیا کا بن آتا ہے نہ دیں کا
اس وحشت دل نے ہمیں رکھا نہ کہیں کا

(۱۵) غیر سمجھا ہمیں اور غیر کو اپنا سمجھا
کیا کہیں آپ سے ہم وہ نہیں جو سمجھا سمجھا

(۱۶) سمجھے سمجھے جاتا ہوں میں آپ میں دشمن
بس بس اب کچھ نہ کہیں آپ میں سمجھا سمجھا

(۱۷) اس دل کا کبھی رنگ بدلتے نہیں دیکھا
ہمنے یہ چمن پھولتے پھلتے نہیں دیکھا

(۱۸) موت آتی ہوئی جان بھی جاتی ہوئی دیکھی
حسرت کو مگر دل سے نکلتے نہیں دیکھا

(۱۹) وہ اونکا وصل میں یہ کہکے مسکرا دینا
طلوع صبح سے پہلے ہمیں جگا دینا

(۲۰) ساتھ میرے اس جنوں میں کس سے کھایا جائیگا
میری وحشت جائیگی یا میرا سایا جائیگا

(۲۱) چھپ سکے راز محبت یہ تو ممکن ہی نہیں
ہاں چھپایا جائیگا جب تک چھپایا جائیگا

(۲۲) رقیب اسکی وفا پر بہت نہ اترائیں — وہ بے وفا کبھی میرا بھی یار تھا کہ نہ تھا

(۲۳) جس کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں وہ نہیں — چاند کے دیکھنے کی تجویز عید کیا

(۲۴) تم مجھے دل سے ہو سوا دل ہو مگر عہد میرا — تم مری جاں ہو مگر جان کا اعتبار کیا

(۲۵) ستاتے ہو ستاؤ ہمکو لیکن یہ بھی سن رکھو — کہ ایسا مٹنے والا مٹکے پیدا ہو نہیں سکتا

(۲۶) وصال یار تمہید فراق ہر دو عالم ہے — کہ اپنا ہوکے کوئی پھر کسیکا ہو نہیں سکتا

(۲۷) ہم لڑکپن میں پیر ستے تجو و — چرخ ابتک جوان ہے گویا

(۲۸) دیکھیں نہ نیند ہنسنے یہ وقت شناس آنکھیں — جلوت میں ستم ڈھانا خلوت میں حیا کرنا

(۲۹) وقف حسرت کر دیا محو تمنا کر دیا — ہائے دل کیا چیز تھا ہمنے اسے کیا کر دیا

(۳۰) شاد ہوتے تھے جو مجکو وقت مردن دیکھکر — دیر تک رویا کئے وہ میرا مدفن دیکھکر

(۳۱) کیوں آکے بتکدہ میں او وہم مچائے واعظ — مسجد میں معتکف ہو کعبہ کو جائے واعظ

(۳۲) ہم دیکھکر بتوں کو کلمہ پڑھیں نہ اُن کا — حوروں کا نام سنکر ایمان لائے واعظ

(۳۳) کسکا ماتم کسکا نوحہ کسکی چادر کسکے پھول — سوکھے پتے ہیں مزار عاشق مفلس کے پھول

(۳۴) گمان ہے یہ ہم خفا ہیں انسے وہ ہمکو بیٹھے منا رہے ہیں — ہوئی ہے بزم خیال برپا مزے تصور کے آ رہے ہیں

(۳۵) کیا تو ہے عزم کوئے دلبر ہوا تو ہے کچھ نصیب یاور — نشان پا ہے رقیب لیکن ہمیں سے آنکھیں لگا رہے ہیں

(۳۶) روز شب مجمع یاران خوش اوقات کہاں — ہائے اب دن وہ کہاں حیف وہ اب رات کہاں

(۳۷) اب کسی سے تمہیں پرواے ملاقات کہاں — اب وہ لطف و کرم و مہر و مدارات کہاں

(۳۸) غم و درد و الم کا کارواں ہوں — ملال و یاس حسرت کا جہاں ہوں

(۳۹) سحر تک شام سے آتی نہیں نیند — گھر میں اپنے در کا پاسباں ہوں

(۴۰) بتوں کے ناز بتوں کے غرور کیا جانیں — جناب شیخ بجز عشق حور کیا جانیں

(۴۱) آئینہ دیکھکے حیران ہوئے جاتے ہیں — ہوش آتا ہے تو قرباں ہوئے جاتے ہیں

(۴۲) آہ کرنا دل حزیں نہ کہیں — آگ لگجائے گی کہیں نہ کہیں

غزلیات

دیکھ لے ضبط مرا شکوۂ بیداد نہیں — لب پہ نالہ نہیں شیون نہیں فریاد نہیں
چرخ کی چال زمانہ کی بھی گردش دیکھی — کوئی تجھسا ستمگر میں ستم ایجاد نہیں
میں تو نالوں سے اٹھا لیتا زمین کو سر پر — کیا کروں میں کہ مجھے عادت فریاد نہیں
بیوفائی سے زمانہ کی مٹا نقش وفا — سرفروشی بھی وہ پہلی سی ہمیں یاد نہیں
مٹ ہی جاتے ہیں تیری چاہنے والے ظالم — ہے قیامت تری او بانئے بیداد نہیں
ہائے اے بیخودی غفلت جس نا سوت — وہ بہار چمن قدس ہے مجھے یاد نہیں
اللہ اللہ ترے حسن خداداد کا رعب — ایک دیوانہ بھی آمادہ فریاد نہیں
کون سی دل میں تھی حسرت جو نہیں خانہ خراب — کون سی دل میں تمنا تھی جو برباد نہیں
جلوہ یار نے اس درجہ کیا تھا مدہوش — کیا مرے حال پہ گزری یہ مجھے یاد نہیں

خامشی سے نہیں بہتر کوئی جیسنا او بلیغ
ہے سلامت وہی جو خوگر فریاد نہیں

"وہ"

دل میں تمنا نہ رہے راہ سے — گھر کا جو مالک ہے اب آتا ہے وہ
کثرت اعیاں ہی نقاب جمال — جلوہ پس پردہ دکھاتا ہے وہ
برہمی بزم بھی ہے مشغلہ — ایسا کہ اک انجمن آرا ہے وہ
شدت اخفا ہے کمال ظہور — یعنی کہ پنہاں نہیں پیدا ہے وہ
ماتم دیدار ہے اور ہم غریب — صاعقۂ چشم تماشا ہے وہ

"سلمائے تنہا"

ہم اگر درد دل سنائینگے — تم کو کیا۔ غیر کو رُلائینگے
کہیں وعدے پہ آنہ جائیں وہ — میں کہاں ہوں کہ مجکو پائینگے
صاف انکار بھی غضب کرتا — یہ ستم اور ہے کہ آئینگے
اُن سے پھتا ہے آپ میں آنا — ہم کبھی آپ میں نہ آئینگے
مدعی اور ادعائے وفا — کاش کہدے کہ آزمائینگے

رہنے دو خلوتی مجھے خاموش
لوگ اگلوں کو بھول جائینگے

"خلوتی"

جب تک لگی تھی آس لیا نام انتظار — اب کیا کہوں کہ پاس ہے انجام انتظار
جانا رہے گا جان سے ناکام انتظار — اک اور بھیجدیجئے پیغام انتظار
بدعہدیوں سے خوش ہوں کہ ایمان ہے درد — محروم جلوہ رکھتے ہیں اقسام انتظار
مجنوں فریب خوردہ چشم غزال ہے — لیلی کہاں چھپا کے گئی دام انتظار
مشتاق دید فتنۂ محشر نہ تھا کوئی — پایا تمہیں کو محشر بدنام انتظار
آخر نہ شمع بجھ گئی پچھلے پہر سے آج — دیکھی گئی نہ حسرت ناکام انتظار
میں ڈر گیا کہ تمسے ہوا عنوان آرزو — ڈوبی ہوئی شفق سے جو تھی شام انتظار
ہیں کتنے بے خبر کہ گئے ہم جو ہاتھ سے — پھر کسکو ہے یہاں ہوس خام انتظار
محروم دور ہو رہی ہوں بڑی دیر ہو چکی — ساقی بس اب چھلکنے لگا جام انتظار
دلمیں جب آگئے ہو کلیجے سے لگ جاؤ — آگے بڑھو کہ جان ہے ناکام انتظار

رکھتا ہے وقف کشمکش جان و دل رضی
اس بیوفا نے مجکو تہ دام انتظار

"رضی"

جمالِ خود رُخِ بے پردہ کا نقاب ہوا
نئی ادا سے نئی وضع کا حجاب ہوا

ملا ازل میں مجھے میری زندگی کے عوض
وہ ایک لمحۂ ہستی کہ صرفِ خواب ہوا

سکونِ قلب میسر ہے موت ہی سے سہی
غرضکہ خاتمۂ رنج اضطراب ہوا

وہ جلوہ مفتِ نظر تھا نظر کو کیا کہئے
کہ پھر بھی ذوقِ تماشا نہ کامیاب ہوا

گناہگار سہی دل ۔ مگر قصور معاف
ظہورِ شوق باندازہ حجاب ہوا

او لٹ گئی مری امید و بیم کی دنیا
یہ کیا نظامِ تمنا میں انقلاب ہوا

قفس کو مژدۂ فرصت کہ فانیِ مہجور
شہیدِ کشمکشِ صبر و اضطراب ہوا

"فانی"

ہمارے سامنے اے برقِ وش کیوں آ نہیں جاتا
نظر کی خیرگی ضامن ہے تو دیکھا نہیں جاتا

ہمیں تم قتل کر دو غیر کے ہاتھوں سے کیا مرنا
کچھ ایسا تلخ ہے یہ زہر جو کھایا نہیں جاتا

کبھی وحشت خرامی اور کبھی وحشت کلامی ہے
وفورِ شوق ہے خاموش تو بیٹھا نہیں جاتا

مگر آواز آہ و نالہ دیتی ہے نشاں اسکا
ترا بیمار صورت سے تو پہچانا نہیں جاتا

تلافی سوچ لی ہو کاش اس نے اس تغافل کی
سرِ محفل تڑپتا ہوں مگر پوچھا نہیں جاتا

کمالِ ذوق سے ہر لمحہ جاتا ہوں جہاں کوئی
خیالِ ہستی دنیا و ما فیہا نہیں جاتا

تجھے کس نے کہا ہے ناشناس جذبۂ الفت
مگر تیرا وہ اک انداز بے پروا نہیں جاتا

سہا یہ اضطراب دگر معمولی سی باتیں ہیں
کسی صورت سے دلکا حال سمجھا یا نہیں جاتا

"سہا"

بات بھی کر نہیں سکتے کہ حجاب آتا ہے
پھر بھی بے بات بگڑتے ہیں عتاب آتا ہے

مجکو ورباں کے عنایت کی خبر ہی نہ ہوئی
کہدیا کس نے وہی خانہ خراب آتا ہے

مل چکی داد ہمیں یاد یہ بیبا ئی کی +
کب تجھے یاد کوئی خانہ خراب آتا ہے

پردہ ہے دعوتِ نظارہ بایں حسن و جمال
سامنے آئیں اگر اُن کو حجاب آتا ہے

ہے یہاں کون جو دیکھے وہ چھپے ہیں کس سے
گر کوئی ہو تو کہو کس سے حجاب آتا ہے

اک قیامت ہو بپا اُن کو عتاب آئے اگر
پیار بھی جن کو باندازِ عتاب آتا ہے

شورشِ آمادہ ہے پھر یاد بلئے ذوقِ الست
پھر مجھے یاد وہ بھولا ہوا خواب آتا ہے

میں کہاں اور یہ معمورۂ اوہام کہاں
اے **جمیل** اپنی حقیقت سے حجاب آتا ہے

"جمیل"

دیدہ حیرت زدہ ہے اُن کو حجاب آتا ہے
مژدہ اے ذوقِ نظر اور عذاب آتا ہے

شوخیاں دیدۂ مشتاق نے دیکھی ہیں بہت
ہاں یہ شوخی ہی قیامت کہ حجاب آتا ہے

دلِ بےتاب کی خاطر نہیں دیکھا لیکن
اُن کی بیگانہ ادائی سے حجاب آتا ہے

آئینہ وارِ جمالِ رخِ زیبا ہے نقاب
نام ہی نام ہے کیا تم کو حجاب آتا ہے

کیا ہے اے دیدۂ تر بدیہہ بیتابیِ عشق
دلِ صد پارہ نظر نقش بر آب آتا ہے

ہائے وہ بےخبرِ حسن نگاہیں اُن کی
آئینہ نذر لئے عہدِ شباب آتا ہے

یک نظر بیش نہیں فرصتِ نظارۂ حسن
آب پر بس یہی کہنے کو حباب آتا ہے

حیرتِ دید ہے سرمایۂ تسکیں ورنہ
شوق کو آپ کی تمکیں کا جواب آتا ہے

میری تقدیر نے کیوں مجھکو دیا مژدۂ مرگ
آج ہی کیا مرے نامہ کا جواب آتا ہے

چشمِ حیراں سے رہی اُنکی نظر مستغنی
کہ نظر آئینۂ حسن نقاب آتا ہے

آج کیا آج کے وعدہ کو بھی یاد نہ کروں
مجکو امید سے اے یاس حجاب آتا ہے

نزع میں بند ہوئی جاتی ہیں آنکھیں **بسمل**
آج کیا جاگی ہے تقدیر کہ خواب آتا ہے

"بسمل"

ریویوز

ہندوستان میں اردو صحافت کی رسم جاری ہوئے ایک زمانہ ہوگیا- ابتدا میں جب بعض ارباب علم و ذوق نے اسکا آغاز کیا تھا تو ایک حد تک مفید معلومات علمی کا سرمایہ پبلک کے لئے فراہم کیا جاتا تھا- اس میں شک نہیں - اس دور اولین کی یادگاریں اب زیادہ دلچسپ و مفید نظر نہیں آتیں- تاہم- الفضل للمتقدم پر لحاظ رکھتے ہوئے ہم اونکے منت گزار ہیں-

اس کا افسوس ہے کہ گو ملکی زبان نے ترقی کی لیکن جیسا ہونا چاہئے تھا فن صحافت کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھا- اور اس دور میں جب کہ ترقی اردو کی صدائیں چار طرف سے گوش زد ہوتی ہیں صحافت محض ایک تفنن ہوکر رہگئی ہے جس کا باعث صرف یہی ہے کہ ہنوز پبلک اپنے مخصوص ذوق کے سوا دوسرے مساعی مفید کو لبیک کہنے کیلئے تیار نہیں ہے- نتیجہ یہ ہے کہ اکثر مفید و قابل قدر کوششیں درماندہ راہ مقصد رہجاتی ہیں -

لیکن بےچین فطرتوں کے لئے ایسی ناکامیاں ہمیشہ داعی اضطراب مزید ہوا کرتی ہیں وہ کبھی کسی ناکامی یا عدم مساعدت ارباب عصر سے جمود پسند نہیں ہوسکتیں - چنانچہ اب بھی ملک کا ایک گروہ اسکا شاہد ہے -

حکیم مولوی احمد شجاع صاحب بی اے (علیگ) پبلک میں کچھ زیادہ معروف نہیں ہیں اردو صحف و رسائل میں آپکا اسم گرامی گاہے ماہے نظر ضرور آتا ہے لیکن یہ پبلک کی قدر ناشناسی و بےخبری ہے ورنہ آپکا علمی ذوق اور بالخصوص اردو ادب کی حمایت قابل صد تحسین ہے- آپکا مذاق ہمہ دور موجودہ کی ابتذال پسندی سے یکسر متنفر ہے -

عرصہ سے آپکا ارادہ تھا کہ صحافت کا صحیح نمونہ ہندوستان کی بیخبر محفل پبلک کے سامنے پیش کریں - حال ہی
مین آپنے دو رسالے ہزار داستان و نونہال - سرزمین پنجاب کے سرمایہ ناز بلدہ لاہور سے جاری کئے ہیں -
(نونہال) ایک مصور ہفتہ وار رسالہ ہے جسمین خصوصیت سے اطفال نوآموز کی دلچسپیوں کا لحاظ رکھا جاتا
ہے - مضامین مختصر مفید موثر ہوتے ہیں اور زبان اسقدر سلیس ہے کہ کمسن بچے اوسکو بآسانی سمجھ سکیں
حصہ نظم بھی اسی مناسبت سے بہترین اور دلکش ہوتا ہے اسکے علاوہ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوے کہ رسالہ
کسی ایک طبقہ میں محدود نہونا چاہئے - قابل ایڈیٹر نے دوسرے ملکی بھائی اہل ہنود کے بھی قصص و روایات کا
سلسلہ جاری کیا ہے -

قصص و روایات خواہ اہل اسلام کی تاریخ سے وابستہ ہوں خواہ اہل ہنود کی بہ تبدیل الفاظ ہر ملت و مذہب کا
ادنی نصیحت حاصل کرسکتا ہے - چونکہ اونکا مقصد محض اصلاح اخلاق ہوتا ہے - انہی خوبیوں پر اور اس گرانی عام کے بیچ
قیمت بہت ہی کم رکھی گئی ہے چھ روپیہ سالانہ اور چار روپیہ ششماہی -

دوسرا رسالہ ہزار داستان ہے یہ بھی اردو صحافت کا بہترین نمونہ ہے - فن ڈراما نویسی کی طرف قابل
ایڈیٹر نے خصوصیت سے اپنی توجہ منعطف کی ہے - لیکن مخرب اخلاق افسانے جنکا نام اس دور
میں ڈراما نویسی قرار دیا گیا ہے وہ ہزار داستان مین آپ کو نظر نہ آئینگے بلکہ وہ قصص و حکایات ڈراموں
کی طرز میں درج رسالہ ہوتے ہیں جو اصلاح اخلاق میں ممد و معاون ہوں -

واقعہ یہ ہے کہ ہزار داستان علمی تاریخی - ادبی - مضامین کا گران قدر بیندرہ روزہ مصور
رسالہ صرف آٹھ روپیہ سالانہ مین قابل ایڈیٹر کا ایک ایثار ہے - ملک و قوم کی بڑی بدنصیبی ہوگی
اگر حکیم صاحب کو اوسکی عدم توجہی کی بدولت اس بے بہا خدمت علم و ادب سے دستکشی اختیار کرنا ہو -

نقاش - ہزار داستان و نونہال کو نہایت گرمجوشی و خلوص سے خیر مقدم کہتا ہے
دارالاشاعت ادب لطیف آفندی بلڈنگ - چوک پرانی کلی لاہور سے طلب کیجئے -